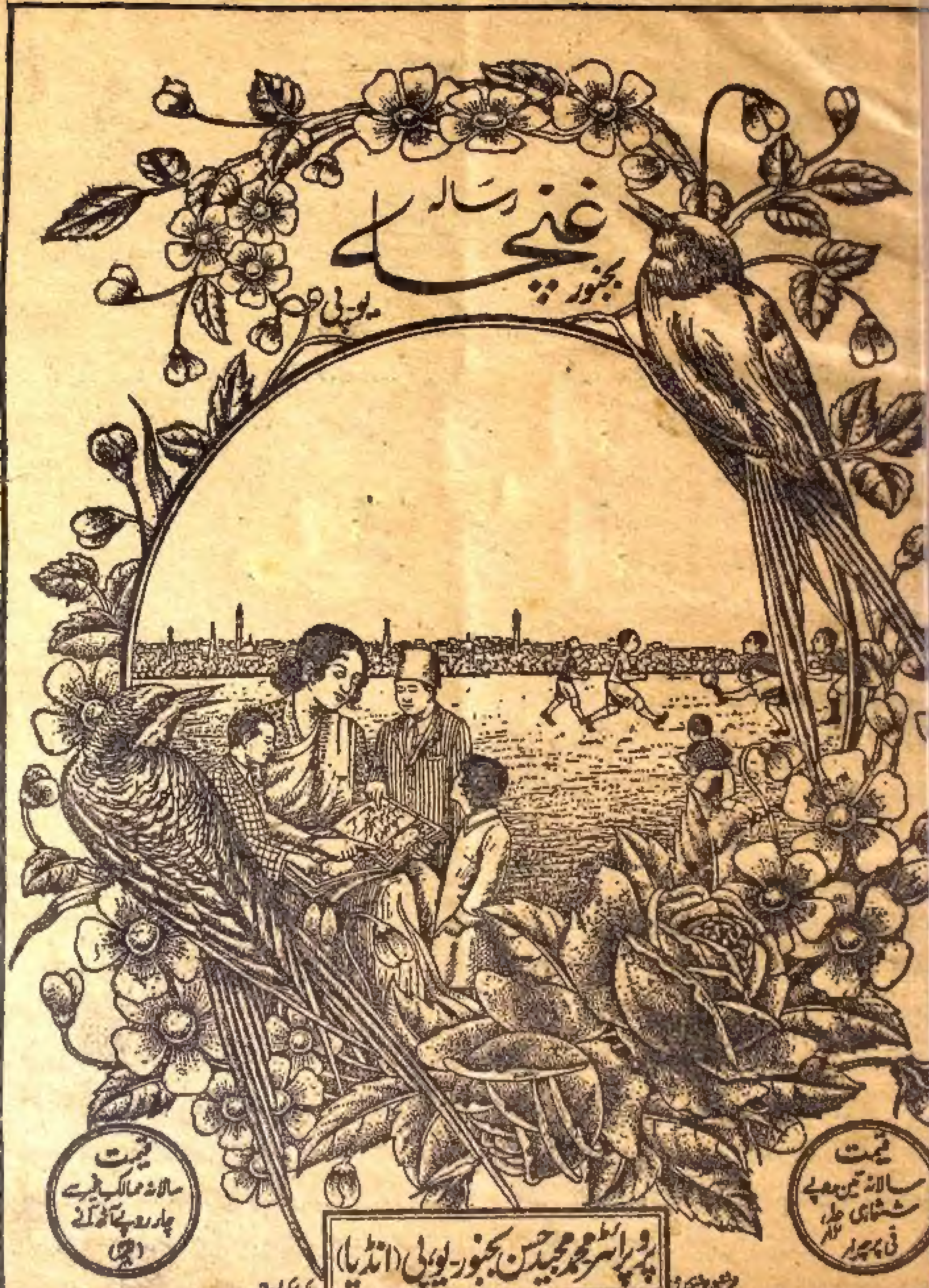
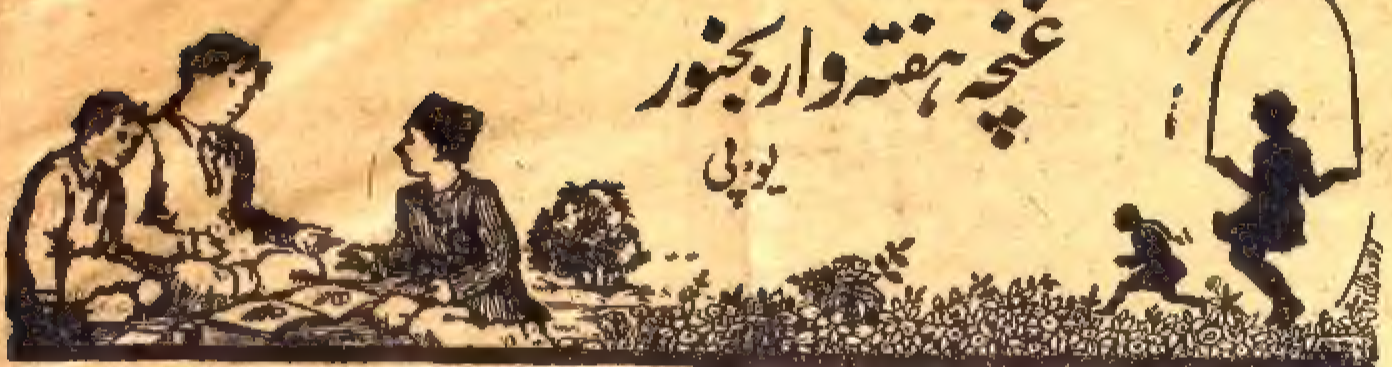

رسالہ
غنچہ
بجنور
یو-پی
قیمت
سالانہ ممالک غیر سے
چار روپے آٹھ آنے
قیمت
سالانہ تین روپے
ششماہی
فی پرچہ
پروپرائٹر محمد مجید حسن بجنور - یو پی (انڈیا)

غنچہ ہفتہ وار بجنور
یوپی



ایڈیٹر: شبیر بیگ (بریلوی)

نمبر ۳۷ | بجنور یوم جمعہ، یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء مطابق ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ | جلد ۲۲

عید کا پیام

(از ایڈیٹر)

رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہوگیا اور اسی کے ساتھ دن رات کی وہ چہل پہل بھی جو رمضان کے ساتھ ہر مسلمان کے گھر میں شروع ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنے پیارے خدا کے حکم کی تعمیل میں مہینہ بھر تک روزے رکھے، نمازیں پڑھیں قرآن ختم کئے، مسجدیں آباد کیں، گناہوں اور برائیوں سے بچے۔ دن کو بھوک پیاس کی تکلیف کو روزہ کے انعام اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کئے ہوئے ثواب کی امید پر خوشی خوشی برداشت کیا۔ بڑوں کی طرح تم میں سے اکثر بچوں نے بھی اپنے پیدا کرنیوالے کے حکم کی تعمیل کی ہوگی۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے مہینہ بھر کے نہ سہی تھوڑے بہت روزے ضرور رکھے ہوں گے پھر ایسے بھی ہونگے جنھوں نے ایک شروع کا، ایک منجھلا، اور ایک آخری رکھکر صفر لگا لیا ہوگا۔ اور اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ جنھوں نے ایک بھی روزہ نہیں رکھا یا کم عمر ہونیکی وجہ سے نہیں رکھ سکے انھوں نے مہینہ بھر تک سحری ضرور کھائی ہوگی اور رمضان کی رونق کو ضرور بڑھایا ہوگا۔ بہرحال آج سب کی عید ہے، سب کی خوشی کا دن ہے۔ بڑوں کی بھی عید اور چھوٹوں کی بھی عید خوشیاں مناؤ اور خوب مناؤ۔ دوستوں اور عزیزوں سے مصافحہ اور معانقہ کرو۔ دعوتیں کھاؤ اور کھلاؤ۔ ہماری طرف سے سب کو عید مبارک

اچھا اب عید کا ایک پیام بھی سنو۔ پیام یہ ہے کہ جب تم خوشیاں منا رہے ہو تو اپنے رشتہ داروں اور محلہ کے بیچارے ان بڑوں اور چھوٹوں کو مت بھول جانا جو کسی غم، کسی مجبوری اور غریبی کی وجہ سے تمھاری طرح خوشیاں نہیں منا سکتے مگر ہوسکے تو انکی تھوڑی بہت مدد کرنے میں پیشقدمی کرنا اور انکی ہمدردی اور دلجوئی کو بہت بڑی نیکی سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ دوسرے اس کا خیال رکھنا کہ اگر تمھارا کوئی دوست عزیز اور رشتہ دار تم سے روٹھا ہوا ہے تو عید کے دن سے وہ روٹھا ہوا نہ رہے۔ مصافحہ یا معانقہ کرتے وقت دل بالکل صاف اور محبت سے بھرا ہوا ہونا چاہئے۔ یہ دونوں باتیں دنیا کے تعلق کے لئے بھی بہت ضروری اور فائدہ مند ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے اچھے بندے بننے کے لئے بھی لازمی ہیں۔

آؤ خدا سے دعا کریں کہ عید کا یہ دن ہم سب کے لئے خوشی اور مسرت کا پیغامبر ثابت ہو اور ہم سب اپنے نیک مقصدوں میں کامیاب ہوں۔ آمین ثم آمین۔

سندباد جہازی

(بسلسلہ گذشتہ)

جزیرہ کا ساحل بہت ڈھالو اور کٹا پھٹا تھا۔ چڑھنا دشوار، بڑی مشکل سے درختوں کی جڑوں کو پکڑکر اوپر پہنچا۔ جزیرہ پر پہنچکر میں نیم مردہ ہو چکا تھا، لیٹ گیا، اور جب تک سورج نکلا اسی طرح پڑا رہا۔ اگرچہ میں سمندر میں پڑے رہنے کی تکلیفوں اور کھانے کچھ نہ ملنے کی وجہ سے بہت کمزور تھا مگر آہستہ آہستہ کسی کھانے کے قابل پودے کی تلاش میں رینگنے لگا اتفاق سے مجھے پودے ہی نہیں بلکہ صاف میٹھے پانی کا ایک چشمہ بھی مل گیا۔ میں نے پانی پیا جس سے میری حالت بہت کچھ ٹھیک ہو گئی۔

اس کے بعد میں جزیرہ میں اور آگے کو گیا، کچھ دور چلکر ایک خوش منظر میدان ملا، جہاں کچھ دور اور آگے ایک گھوڑا چرتا ہوا نظر آیا۔ جب میں قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ بہت عمدہ قسم کا گھوڑا ہے جو ایک گڑی ہوئی لکڑی سے بندھا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا کہ زمین کے نیچے سے آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی اور فوراً ہی ایک آدمی میرے پاس آکھڑا ہوا اور پوچھنے لگا، تم کون؟

میں نے اس کے جواب میں میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا اسے کہہ سنایا۔ اس پر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر زمین کے نیچے غار میں لے گیا جہاں کچھ اور بھی لوگ موجود تھے، وہ بھی مجھے دیکھکر اتنے ہی حیرت زدہ ہوئے جتنا کہ میں حیرت زدہ تھا۔

انھوں نے مجھے کچھ کھانا دیا جو میں نے کھایا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا آپ اس ویران جگہ میں کیا کرتے ہیں، انھوں نے جواب دیا، ہم جزیرہ کے بادشاہ کے سائیس ہیں اور ہر سال اسی موسم میں بادشاہ کے گھوڑوں کو یہاں چرانے کے لئے لاتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اچھا ہوا تم آج آگئے ورنہ ہم کل واپس چلنے والے تھے۔ اگر تم ایک دن اور بعد میں پہنچتے تو بھوک سے ضرور مرجاتے، کیونکہ جزیرہ کا وہ حصہ جو آباد ہے یہاں سے بہت دور ہے۔

دوسرے دن صبح کو وہ گھوڑوں کو لیکر جزیرہ کے دارالحکومت کو لوٹ گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ وہاں پہنچکر انھوں نے مجھے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے سوال کیا، تم کون ہو اور میرے ملک میں کیسے آئے؟ میں نے اسے اپنی تمام داستان سنائی۔ بادشاہ نے سن کر بہت افسوس ظاہر کیا اور اسی وقت یہ حکم دیا کہ میری ضرورت اور آرام کی ہر چیز مجھے مہیا کی جائے۔

چونکہ میں ایک تاجر تھا، اس لئے زیادہ تر میں دوسرے تاجروں ہی سے گفتگو کیا کرتا۔ خاص طور پر

ان تاجروں سے جو دوسرے ملکوں سے تازہ وارد ہوتے۔ امید یہ ہوتی تھی کہ شاید کسی سے بغداد کی کوئی خبر ملے یا واپس چلے جانے کا کوئی موقعہ نکل آئے۔۔۔ بادشاہ کا دارالحکومت سمندر کے ساحل پر تھا، جہاں ایک عمدہ بندرگاہ تھا جس میں دنیا کے تمام حصّوں سے جہاز آکر رکتے تھے۔

اس بادشاہ کی سلطنت کا ایک حصّہ ایک ڈم جزیرہ بھی ہے جس کا نام کاسل ہے۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ رات کو روزانہ وہاں ڈھول بجنے کی آواز آتی ہے جس کی وجہ سے جہازرانوں کا یہ خیال ہے کہ جزیرہ میں کوئی جن بھوت رہتا ہے۔

میں نے اپنے دل میں ارادہ کیا کہ اس عجیب جگہ کو ضرور دیکھنا چاہیئے۔ راستہ میں جاتے ہوئے میں نے وہاں دو دو سو تین تین سو فٹ کی لمبی مچھلیاں دیکھیں، ان کے علاوہ اور بھی جو دو فٹ لمبی تھیں مگر جن کے سر اُلّو کے سر کی طرح تھے۔

ایک دن جب میں بندرگاہ میں تھا اور کاسل سے واپس آچکا تھا تو ایک جہاز آیا اور جونہی اس نے لنگر ڈالا جہازیوں نے اسے خالی کرنا شروع کردیا، جہاز کے عرشہ پر جو تاجر تھے انھوں نے سامان کو اپنے گوداموں میں بھیجنا شروع کردیا۔ میں نے کچھ گٹھوں پر نظر ڈالی اور نام دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو میرا ہی مال ہے اور وہی ہے جو میں نے سفر شروع ہونے سے پہلے جہاز پر رکھا تھا۔ میں نے کپتان کو بھی پہچان لیا لیکن یہ سوچکر کہ اس کے خیال میں ڈوب چکا ہوں میں اس کے پاس پاس گیا اور پوچھا کہ سامان کے یہ گٹھے کس کے ہیں۔

اس نے مجھے جواب دیا 'یہ مال بغداد کے ایک تاجر کا ہے جسے سندباد کہتے تھے' وہ میرے ساتھ سفر پر روانہ ہوا تھا۔ ایک دن ایک جزیرہ کے قریب پہنچے جسے جزیرہ ہی سمجھا گیا تھا وہ دوسرے چند مسافروں کے ساتھ اتر کر اس پر چلا گیا۔ مگر وہ جزیرہ نہیں تھا بلکہ بہت بڑی وہیل مچھلی تھی جو پانی کی سطح پر پڑی ہوئی سو رہی تھی۔ انھوں نے اس کی پیٹھ پر آگ جلا کر کچھ پکانا چاہا جونہی اسے گرمی معلوم ہوئی اس نے حرکت کرنا شروع کردی اور پانی میں غوطہ لگا گئی اور سندباد اور بہت سے آدمی جو وہیل کی پیٹھ پر تھے ڈوب گئے۔

یہ گٹھے اسی سندباد کے ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جب تک مجھے اس کے وارثوں میں سے کوئی نہ مل جائے ان سے تجارت کرتا ہوں اور جب ملیں تو منافع اس کے حوالہ کردوں۔

میں نے کہا 'کپتان صاحب! میں ہی سندباد ہوں جسے آپ نے مرا ہوا سمجھ لیا ہے۔ یہ گٹھے میرے ہی ہیں۔

کپتان نے میری زبان سے یہ الفاظ سُنے تو

اسے یقین نہ آیا، کہنے لگا، تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، پھر میں نے اپنے بچنے کی داستان سنائی، اور بتایا کہ کس طرح اتفاق سے میں بادشاہ کے سائیسوں سے ملا جو مجھے اس کے دربار میں لے گئے۔

میری داستان سننے سے اسے کچھ یقین آیا کہ میں دھوکہ باز نہیں ہوں پھر جہاز کے کچھ اور آدمی بھی آگئے جو مجھے جانتے تھے وہ مجھے زندہ و سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد کپتان نے بھی مجھے پہچان لیا اور کہنے لگا، خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گئے، یہ تمہارا سامان ہے، اسے اپنے قبضہ میں کرو اور جس طرح چاہو اس سے کام لو۔

میں نے اپنے گٹھوں میں سے جو کپڑا سب سے اچھا تھا اسے نکالا، اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے میرے تحفہ کو قبول کیا اور اس کے بدلے میں مجھے اس سے بڑا تحفہ دیا۔

اس کے بعد میں نے بادشاہ سے رخصت ہونے کی اجازت لی اور جزیرہ کی پیداوار کے تبادلے میں اپنا سامان دیکر وطن کو واپسی کے لئے اسی جہاز پر سوار ہو گیا۔

راستہ میں ہمیں کئی جزیرے پڑے اور آخر میں ہم بندرگاہ پر پہنچ گئے یہاں جب پہنچا تو میرے پاس دس لاکھ روپے کی دولت تھی۔

گھر پہنچنے کے بعد اہل خاندان ملکر بہت خوش ہوئے۔ میں نے کچھ غلام اور ایک عمدہ مکان خریدا اور زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے آرام سے رہنے لگا۔

یہاں پہنچکر سندباد خاموش ہو گیا۔ اس نے نوکر سے ایک سو روپے کی ایک تھیلی منگا کر قلی کو دی۔ اور بولا، ہندباد لو یہ تمہاری ہے، اب گھر جاؤ اور کل پھر آنا، اپنے سفر کی اور داستان سناؤں گا۔

قلی اپنی اس عزت افزائی اور تحفہ ملنے پر حیرت کرتا ہوا گھر لوٹ گیا۔

باب ۳

سندباد کا دوسرا سفر

دوسرے دن ہندباد اپنے بہترین کپڑے پہنکر سندباد کے مکان پر گیا۔ سندباد اس سے بہت رحم دلی کے ساتھ پیش آیا، جب دونوں کھانا کھا کر فارغ ہو گئے تو سندباد نے اپنے دوسرے سفر کی داستان شروع کی۔

سندباد نے کہا، پہلے سفر کے بعد میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ زندگی کے باقی دن اب بغداد ہی میں بسر کروں گا، مگر بہت جلد میں یہاں کی خاموش زندگی سے اکتا گیا، اور ایک دفعہ پھر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ دنیا کے گرد پھر گھوموں۔ چنانچہ میں نے تجارت کے لئے کچھ سامان خریدا اور بہت سے دوسرے تاجروں کے ساتھ پھر سمندر کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ہم جزیرہ جزیرہ خرید و فروخت کرتے چلے گئے اور بہت

زیادہ منافع حاصل کیا۔

ایک دن ہم ایک جزیرہ پر اترے جو مختلف قسم کے پھلدار درختوں سے پٹا پڑا تھا لیکن اتنا سنسان اور ویران تھا کہ نہ تو ہیں کوئی آدمی نظر آیا نہ کسی آدمی کے رہنے کی جگہ جس وقت کچھ میرے ساتھی پھول اور پھل جمع کر رہے تھے میں نے کھانا کھایا اور شراب پی اور دو بڑے گھنے درختوں کے درمیان بہتے ہوئے ایک چشمے کے کنارے بیٹھ گیا۔ کھانا بہت اچھا معلوم ہوا تھا۔ خوب کھایا تھا لہٰذا تھوڑی دیر میں لیٹ کر سو گیا۔ نہیں کہہ سکتا کب تک سوتا رہا لیکن جب ... بیدار ہوا تو جہاز ندارد تھا۔

جہاز کے چلے جانے سے مجھے بڑی پریشانی ہوئی۔ میں نے اٹھ کر چاروں طرف دیکھا مگر جزیرہ پر میرے ساتھ آنے والے تاجروں میں سے ایک بھی نظر نہ آیا۔ آخر کار میری نظر جہاز پر پڑ گئی مگر وہ اتنی دور تھا کہ بہت جلد میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ میں ایک بڑے درخت کی چوٹی پر چڑھ گیا وہاں پہنچکر میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ شاید کوئی چیز نظر آجائے جس سے کچھ امید بندھے۔

سمندر کی طرف تو آسمان اور پانی کے سوا کچھ نظر نہ آیا خشکی پر نظر دوڑائی تو ایک طرف مجھے کچھ سفید سفید سی چیز نظر آئی میں درخت سے اتر کر نیچے آیا اور جو کچھ کھانا بچ رہا تھا اسے لیکر اسکی طرف روانہ ہو گیا۔ (باقی آیندہ)

جنگ کے ڈھنگ

(از سریرام سیٹھی۔ پنڈی کیمپ)

جھپٹیلے طیارے

بچو، شاداور اس کے باپ کی گفتگو سے اب تک تم کئی قسم کے ہوائی جہازوں کے حال سن چکے ہو آج کچھ اور قسم کے ہوائی جہازوں کے حالات سنو۔ موجودہ لڑائی میں جھپٹیلے ہوائی جہاز کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ بڑے مضبوط، عمدہ اور قیمتی ہوتے ہیں۔ ایک جھپٹیلے ہوائی جہاز کی قیمت ۵۶۰۰۰ روپے ہوتی ہے۔

چونکہ یہ جہاز جھپٹ کر دشمن کے ہوائی جہازوں اور فوجی اڈوں وغیرہ پر حملہ کرتا ہے اس لئے اسے جھپٹیلا ہوائی جہاز کہتے ہیں۔ یہ ہوائی جہاز حملہ کرتے وقت پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی تک اڑتا ہے۔ جونہی دشمن کے جہاز کے اوپر پہنچتا ہے تو اس کا ڈرائیور ایک خاص پرزے کو دبا دیتا ہے جس سے جہاز کے سب انجن یک لخت بند ہو جاتے ہیں اور وہ مردہ پرندے کی طرح نیچے گرتا ہے اور جب دشمن کے جہاز سے پچاس ساٹھ فٹ کی اونچائی پر رہ جاتا ہے تو نشانہ باندھ کر

دشمن کے جہاز . . . پر حملہ کرنے لگتا ہے۔ اور اس تیزی سے بم پھینکتا ہے کہ دشمن کا جہاز تباہ ہو جاتا ہے۔

اگر دشمن کا جہاز مقابلہ کرنے لگے یا چھپٹیلے ہوائی جہاز کو خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ایک خاص قسم کے بم پھینک کر چیل کی طرح جھپٹ کر سیدھا ہو جاتا ہے اور چار فٹ فی منٹ کی رفتار سے سیدھا اوپر کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ جب اس کا بم دشمن کے جہاز قریب پھٹتا ہے تو اس سے بہت سا دھواں نکلتا ہے جس سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ تھوڑی سی دیر میں ایسا غائب ہو جاتا ہے کہ پھر دشمن کا جہاز اس کا پیچھا نہیں کر سکتا۔

اس قسم کے جہازوں سے کئی فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دشمن کے جہاز پر بہت قریب ہونے کی وجہ سے نشانہ ٹھیک لگتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نزدیک ہونے کے باعث جہاز کی رفتار کا ٹھیک اندازہ کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ انجنوں کے بند ہونے کی وجہ سے آواز بالکل نہیں ہوتی جس سے دشمن کے جہازوں کو جو نیچے ہوتے ہیں۔ اس کی آمد کا علم نہیں ہوتا۔ اور ہوتا ہے تو اس وقت جب بم کا نشانہ بن کر زمین پر جا گرتا ہے۔

ان ہوائی جہازوں میں صرف پانچ آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور یہ صرف ڈیڑھ ٹن کے قریب وزنی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پوری چستی سے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

غوطہ خور ہوائی جہاز

اس جنگ کا ایک اور عجیب ہتھیار غوطہ خور ہوائی جہاز ہے۔ سب سے پہلے اس جہاز کو جرمنی نے استعمال کیا۔ جرمنی کے مخالف اس جہاز سے ناواقف تھے۔ شروع شروع میں انھیں اور تمام دنیا کو جرمنوں کی اس کاریگری اور دلیری پر بڑی حیرت ہوئی، مگر کچھ دنوں بعد دوسرے ملکوں نے بھی ان کو بنا کر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہ ہوائی جہاز کافی بلندی پر اڑتا ہے اور بہت تیز رفتار ہوتا ہے۔ اس کی توپیں بھی بہت جلدی جلدی چلنے والی ہوتی ہیں اور اس سے بم باری بھی کی جاتی ہے۔ جس وقت یہ ہوائی جہاز حملہ کرنے آتا ہے تو پہلے کافی اونچا ہوتا پھر جب اپنے نشانہ پر پہنچ جاتا ہے تو یک لخت فضا میں ناک کی سیدھ نیچے کو غوطہ لگاتا۔ پھر جب دشمن کے اڈے، کسی بحری جہاز یا ہوائی جہازوں کے قریب آ جاتا ہے تو بم پھینکتا ہے اور توپوں اور مشین گنوں سے گولیوں کی زبردست باڑھ مارتا ہے۔ پھر جس سطح تک نیچے اتر آتا ہے اسی کی برابر نیچے نیچے دور تک تیزی سے اڑ کر خطرہ سے باہر ہو جاتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ دشمن کی توپوں کی زد سے باہر ہو گیا تو

اوپر کو اُٹھ کر واپس ہو جاتا ہے، غوطہ خور ہوائی جہاز توپوں کے ذریعے گولے پھینک کر گرانا دشوار ہوتا ہے کیونکہ توپوں کے مُنہ اوپر کو ہوتے ہیں اور وہ اُن کے نشانہ کی سیدھ سے بچکر پہلے ہی اتنا نیچا ہو جاتا ہے کہ توپیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس جہاز کا مقابلہ ہوا میں لڑنے والے اور پیچھا کرنے والے جہاز کرتے ہیں۔

وفا کی پُتلی

(از محمد صلاح الدین درجہ ہفتم حسین آباد لکھنؤ)

لالہ کرم ویر کے یہاں دولت کی افراط تھی۔ آس پاس کے دیہات میں جو لوگ بستے تھے انہیں سے اُن کے مقروض تھے، وہ اپنے ضلع کے مشہور کروڑ پتی مہاجن تھے۔ گاؤں کے لوگ دن بھر کی محنت مشقت کے بعد جب ایک جگہ بیٹھکر حقّے کے کش لگاتے۔ لطیفے کہتے۔ گیت گاتے اور کہانیاں کہتے۔ تو لالہ جی کی بے انتہا دولت کے قصے بھی چھڑ جاتے مگر ان کی دولت کا صحیح اندازہ کسی کو نہیں تھا۔ ہاں! یہ سب کو معلوم تھا کہ لالہ جی پانچ سات گاؤں کے مالک ہیں۔ اور دو تین کروڑ کے آدمی ہیں۔ اُن کے یہاں ایک چاندی کی صندوقچی تھی جس میں بیش قیمت جواہرات محفوظ تھے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ یہ صندوقچی ہمیشہ اُن کے سونے کے کمرے میں فولاد کی تجوری میں بند رہتی تھی۔ اس کے متعلق طرح طرح کے افسانے مشہور تھے یہ صندوقچی لالہ جی کو ان کے نئے رہائشی مکان کے ایک کونے میں دبی ہوئی ملی تھی۔ لالہ جی نے یہ مکان ایک کنگال نواب زادے سے اپنے قرض کے بدلے میں لکھوالیا تھا۔ اور اُسے بے دخل کر کے خود مکان میں رہنے لگے تھے۔ صندوقچی کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ اس میں "نو لکھا ہار" ہے یہ ہار مقروض نواب زادہ کے باپ نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دینے کے لئے تیار کرایا تھا۔ مگر لڑکی کی اچانک موت نے ان کی آرزو پر پانی پھیر دیا۔ نواب صاحب کو بیٹی سے بے حد محبت تھی اسلئے وہ اس صدمہ سے بچ نہ سکے۔

نواب صاحب کی موت کے ساتھ یہ ہار بھی گم ہو گیا بہت تلاش کیا گیا مگر بے سود۔ نواب زادے نے اپنی تمام جاگیریں عیش کے نذر کر دیں فقط ایک رہائشی مکان رہ گیا۔ گذارے کا کوئی ذریعہ تھا نہیں۔ مہاجن سے قرض لیا طبیعت عیش پسند تھی ہی۔ تھوڑے عرصہ میں یہ رقم بھی اُڑ گئی۔ مہاجن ایسے موقع کے انتظار میں رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس نے تقاضے پر تقاضے کرنا شروع کر دیئے۔۔۔ نواب زادہ کے پاس کیا تھا جو دیتا۔ آخر کار اس نے اپنا مکان لالہ جی کے حوالہ کیا۔ اور خود جوتیاں چٹخاتا۔۔۔ کسی

کسی طرف کو نکل گیا۔ لالہ جی کی چاندی ہو گئی۔۔۔۔
۔۔۔۔ فوراً بیوی بچّوں سمیت اس مکان میں آ گئے۔
ایک دن اتفاق سے ایک کمرے میں لالہ جی کی نگاہ ایک چمکدار چیز پر پڑی۔ لالہ جی جوتی کی نوک سے اُسے ہلانے لگے مگر وہ بہت بھاری تھی۔ ٹھوکر لگنے سے اور زیادہ چمکنے لگی۔ لالہ جی کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر دوڑتے ہوئے اپنے سونے کے کمرے میں گئے۔ وہاں رکھی تھی ایک کھرپی۔ لالہ جی اُسے اٹھا لائے اور زمین کو جلدی جلدی کھودنے لگے۔ کھودتے کھودتے خوبصورت چاندی کی صندوقچی نکل آئی۔ جس پر جابجا قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ لالہ جی کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ خوشی سے ہانپتے کانپتے اور دوڑتے ہوئے صندوقچی اپنی لالائن کے پاس لے گئے اور اُسے سارا قصہ خوب مزے لیکر سُنایا پاس ہی بیٹھی نوکرنی بھی سُن رہی تھی اُس نے سنکر گھر سے باہر پہنچا دیا پھر تو یہ خبر بجلی کے پر لگا کر گاؤں گاؤں اور گھر گھر پہنچ گئی۔ بوڑھے تو بوڑھے بچّے بھی اُسے بڑی دلچسپی سے سنتے اور ساتھیوں سے بیان کرتے۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا بات پرانی ہوتی گئی۔ اور پھر ایک کہانی بن کر رہ گئی۔۔۔۔۔۔
ان لالہ جی کو کُتّے پالنے کا بہت شوق تھا انھوں نے بہت کوششوں کے بعد ولائتی کتوں کا ایک جوڑا منگایا۔ اتفاق سے کُتا تو مر گیا جس کا لالہ جی کو سخت افسوس ہوا مگر کتیا زندہ رہی وہ اسے بہت حفاظت سے پالتے رہے یہاں تک کہ وہ پل کر کچھ دنوں میں شیرنی کی طرح بن گئی۔ اس کے چہرے سے ہیبت ٹپکتی تھی اور نوکر بچّے سب اس سے خوف کھاتے تھے۔ ڈرنے کی وجہ سے اُسے دن بھر زنجیر میں باندھ کر رکھا جاتا تھا مگر رات کو کھول دیا جاتا تھا۔ کھلنے کے بعد رات بھر کتیا نہایت ہوشیاری اور رُعب سے تمام رات پہرہ دیتی۔ لالہ جی نے اس کا نام لکشمی رکھا تھا۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک رات زور کا مینہ برس رہا تھا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ نوکر چاکر سب گہری نیند سو رہے تھے اچانک کتوں کے بھونکنے کی آواز کان میں آئی۔ لالہ جی گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے دیکھا تو چاندی کی صندوقچی غائب تھی حواس باختہ ہو کر بکنے لگے۔ شور سنکر سارا گھر جاگ اٹھا اور سب لالہ جی کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ رونا پیٹنا مچ گیا اسی شور و غل سے پورا محلّہ بھی جاگ اُٹھا ڈاکوؤں کا پیچھا کیا گیا مگر بے کار "نو لکھا ہار" جا چکا تھا۔ آس پاس کے تمام قصبوں میں چاندی کی صندوقچی کے چوری ہو جانے کی خبر صبح ہوتے ہوتے پھیل چکی تھی۔ سیکڑوں آدمی اظہار افسوس اور چوری کا حال معلوم کرنے کے لئے آنے لگے۔ پولیس بھی موقع واردات پر پہونچ گئی اور تفتیش شروع ہو گئی

(باقی آئندہ)

بچہ اور تارہ

(سید شاہ بلیغ الدین حسینی صاحب دکن)

روشن آہ روشن تارے
جگمگ کر جگمگ پیارے

ساری دنیا سے اوپر
نیلے فلک پر مثل جوہر

جبکہ چمکتا سورج جائے
اور اندھیرا سر پر چھائے

تب تو دکھلاتا ہے چمک
ننھے ساری رات دمک

(۲)

گر تو میری گودی آئے
گودی آئے اور سو جائے

تجھکو دکھاؤں اپنی گڑیا
اپنی گڑیا۔ اپنی چڑیا

ننھی موٹر اپنی دکھاؤں
فرفر اپنا سبق سناؤں

تجھکو بتاؤں گولہ اپنا
بنسی اپنی طبلہ اپنا

آجا میری گود میں تارے
ننھے، ننھے، پیارے، پیارے

بچہ اور تیتری

(از خواجہ حامد حسین اسرائیلی چوک فریدی امرتسر)

اِک پیاری پیاری تیتری
گلزار کی ننھی پری

پھرتی ہے اتراتی ہوئی
اور ناچتی گاتی ہوئی

وہ پیاری پیاری تیتری

اک بچہ پیارا پیارا سا
ہے اس کے پیچھے دوڑتا

وہ اس کے ہاتھ آتی نہیں
جی اس کا بہلاتی نہیں

وہ پیاری پیاری تیتری

کہتا ہے یوں اللہ میاں
میں کیا کروں جاؤں کہاں

مجھکو بتا دے پھول تو
دے پھول سا رنگ اور بو

پھولوں میں میں بھی لا کر دوں
اور شاخ پر جھولا کروں

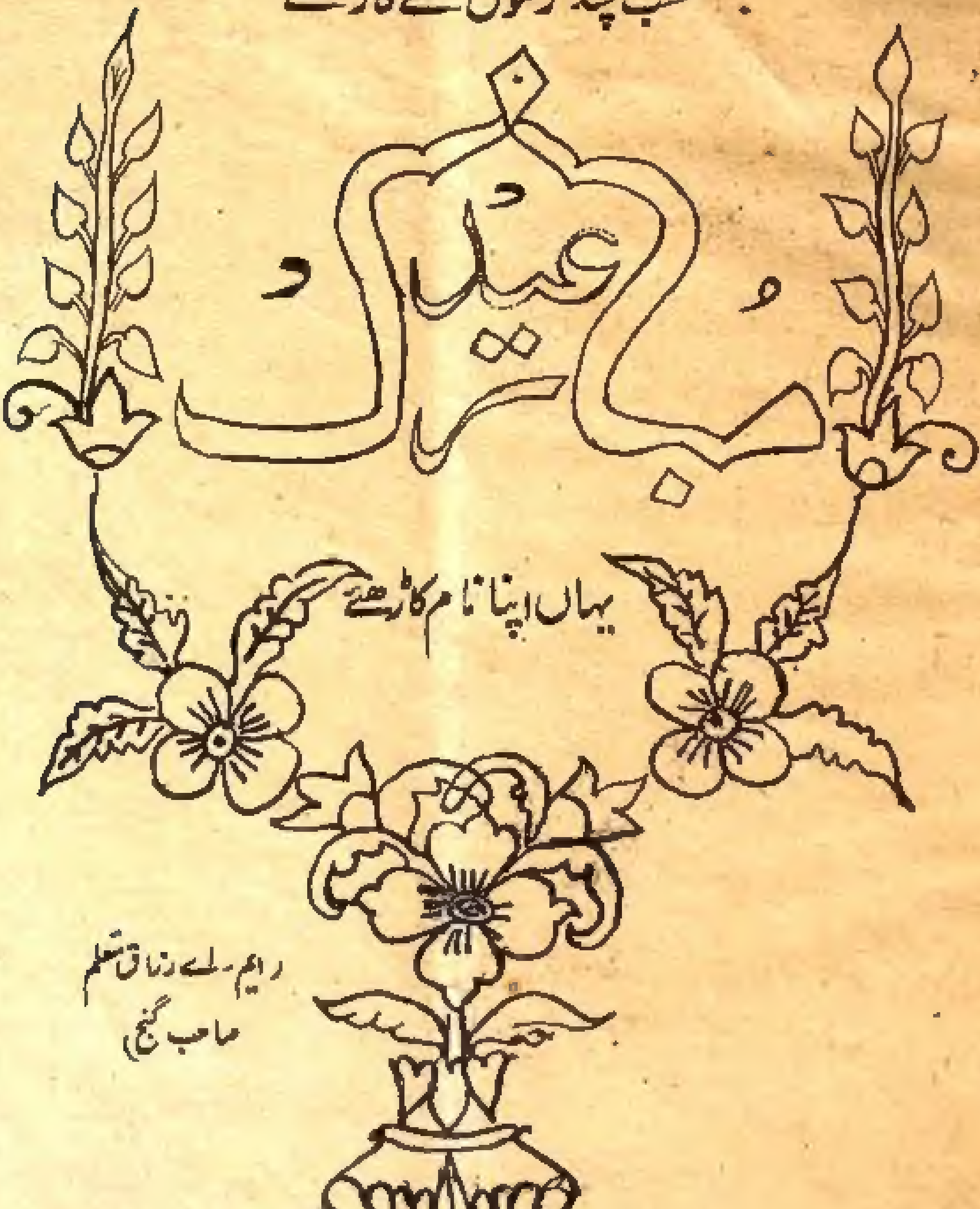
پھر پاس آجاتے مرے
آپ اُڑ کے ننھے پھول سے

یہ پیاری پیاری تیتری

کشیدہ کاری

عید کا تحفہ

حسب پسند رنگوں سے کاڑھیے



رابعہ سلطانہ رزاق قلم
صاحب گنج)

مُسکراہٹ

ایک پادری صاحب ایک مدرسہ کا معائنہ کرنے والے تھے معلوم تھا کہ وہ ہمیشہ بچوں سے ایک ہی قسم کا سوال کرتے ہیں چنانچہ ایک جماعت کے مدرّس نے قبل از وقت یہ سوال و جواب سلسلہ وار ایک ایک بچہ کو یاد کرا دیئے۔ پہلا سوال "تم کو کس نے پیدا کیا؟" پہلے بچہ کو یہ جواب سکھایا گیا۔ خدا نے۔ دوسرا سوال "سب سے پہلے کون پیدا ہوئے؟" دوسرے بچّہ کا جواب حضرت آدمؑ۔

پادری صاحب آئے اور سوالات شروع کئے پہلا بچہ جماعت میں نہیں تھا دوسرے بچّہ سے انھوں نے سوال کیا۔ "تم کو کس نے پیدا کیا؟" بچہ نے جھٹ جواب دیا۔ "حضرت آدمؑ" اس پر پادری صاحب نے کہا۔ "نہیں بیٹا تم کو خدا نے پیدا کیا ہے" بچہ بول اٹھا۔ "نہیں" "وہ بچّہ جس کو خدا نے پیدا کیا ہے، پانی پینے باہر گیا ہوا ہے!"

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ حوضوں میں مچھلیاں پالنا مچھروں سے نجات پانیکی بہترین تدبیر ہے۔ کیونکہ مچھلیاں مچھروں کے انڈوں کو کھا جاتی ہیں جس سے مچھروں کی نسل نابود ہو جاتی ہے۔

معلومات

ایک شخص کارل نویمان نے تحقیق تجربہ کے بعد مختلف جانوروں کی عمریں دریافت کی تھیں جو حسب ذیل ہیں:-

قاز، ہنس، پہاڑی کوا، طوطا اور کچھوا ۲۰۰ سال سے ۳۰۰ سال تک۔ گھوڑا، گدھا، سانڈنی اور ریچھ ۴۰ سے ۵۰ سال تک، فاختہ، شتر مرغ، اور ہُدہُد ۶۰ سے ۷۰ سال تک۔ کوّل، مگرمچھ اور مینڈک ۴۰ سال تک۔ ہاتھی ۱۵۰ سال سے ۲۰۰ سال تک۔ گدھ ۱۱۸ سال تک۔ عقاب ۱۰۴ سال تک۔ بط ۱۰۲ سال تک بعض قسم کی مچھلیاں ۱۵۰ سال تک۔ کلنگ زیادہ سے زیادہ ۵۰ سال تک مرغابی ۴۲ سال تک، بھیڑ ۱۰ سے ۱۵ سال تک۔ بکری ۱۲ سے ۲۰ سال تک۔ بارہ سنگھا ۱۰ سال تک۔ ہرن ۱۵ سال تک جنگلی سور ۲۰ سے ۳۰ سال تک۔ کتا اور بھیڑیا ۱۰ سے ۱۵ سال تک۔ لومڑی ۱۰ سال تک۔ ببر شیر ۲۰ سے ۲۵ سال تک۔ بلی ۹ سال سے ۱۰ سال تک معمولی شیر ۲۰ سال تک نیل کنٹھ ۲۵۰ سال تک۔ گلہری ۱۰ سے ۲۰ سال تک۔ خرگوش ۷ سے ۸ سال تک۔ گھونس ۸ سال تک۔ چوہا ۳ سے ۴ سال تک بعض قسم کی چیونٹیاں ۱۰ سے ۱۵ سال تک۔

(سعید پریس بجنور میں باہتمام محمد مجید حسن پرنٹر و پبلشر چھپکر شائع ہوا)